بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

29-شرح العقیدۃ الواسطیۃ

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

اور آج کے درس میں جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں اور آج کے درس میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی دو پیاری صفات کا بیان کرتے ہوئے قرآن مجید سے بعض آیات کے دلائل بیان کیے ہیں، آج کی نشست میں اللہ تعالیٰ کی دو پیاری صفات "صفة المشيئة (جسے ہم چاہت بھی کہتے ہیں)"، اور "صفة الارادة" اس کے تعلق سے بات کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقوله تعالى: ﴿وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ إلى آخر الآية (الكهف:39)"۔

"وقوله" (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد): ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿٢٥٣﴾﴾ (البقرۃ:253)"۔ "وقوله (اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد): ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ (المائدۃ:1)"۔

"وقوله: ﴿فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ﴾ إلى آخر الآية (الانعام:125)"۔

شرح میں فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''هذه آيات في إثبات صفتي المشيئة والإرادة'' یہ جو آیات ہیں یہ ان دو صفات کے ثبوت کے لیے بیان ہوئی ہیں "صفۃ المشیئۃ" اور "صفۃ الارادۃ"۔

اب ان آیات کے تعلق سے ایک مختصر سی تفسیر اور تفصیل ملاحظہ کیجیے، شیخ صاحب فرماتے ہیں:

''فالآية الأولى'' (پہلی آیت کریمہ میں) ''قوله تعالى (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ﴿وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ إلى آخر الآية (الكهف:39)''۔

''﴿وَلَوْلَآ﴾: بمعنى: هلا، فهي للتحضيض، والمراد بها هنا التوبيخ، بمعنى أنه يوبخه على ترك هذا القول'' (اس آیت کریمہ کی ابتداء اس لفظ سے ہوئی ﴿وَلَوْلَآ﴾ لفظ جو ہے یہ تحضیض ہے یعنی کسی چیز کی ترغیب دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ لفظ توبیخ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

﴿إِذْ دَخَلْتَ﴾: یعنی ''حين دخلت'' جب جنت یعنی باغ میں داخل ہوئے۔

﴿جَنَّتَكَ﴾ (تمہارا باغ)۔

جنت کا لفظ جو ہے یہ لفظ کہاں سے آیا ہے اور اس کا معنی کیا ہے ذرا غور کریں، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''الجنة، بفتح الجيم'' (("جَنّة، جُنّة، اور جِنّة" تین لفظ ہیں ملتے جلتے، سب سے پہلے جو ہمارا موضوع ہے "الجَنّة" جنت کا لفظ بھی یہیں سے آیا ہے))، ''الجنة، بفتح الجيم هي البستان الكثير الأشجار'': یہ وہ باغ ہے جس میں بہت ہی زیادہ درخت ہوں اور گھنے درخت ہوں، اور نام اس لیے رکھا گیا ہے جنت کا کیونکہ جو گھنے درخت ہیں ان میں جو گھنی ٹہنیاں اور جو پتے ہیں وہ جو کچھ اس کے اندر ہے اسے چھپا دیتے ہیں۔

((یعنی اوپر سے اگر دیکھیں آپ تو آپ کو زمین مشکل سے نظر آتی ہے، اندر کیا ہے چھپا ہوا ہے، تو چھپنے کا معنی موجود ہے اس لفظ میں))۔

''فهو مستجن فيها'' (یعنی چھپا ہوا ہے اور مادۃ جو ہے ''الجيم والنون'' جب ایک ساتھ مل جاتے ہیں تو اس میں معنی جو ہے استتار (سِتْر) کا اور چھپنے کا معنی ہے (پردے کا معنی ستر کا معنی یہ سب اس میں پایا جاتا ہے))۔

"ومنها: الجُنة والجِنة"، ایک لفظ جَنّۃ ہے (جنت ہم کہتے ہیں ہو گیا ہے)، دوسرا "الجُنة - بضم الجيم" (جیم کے اوپر اگر آپ پیش لگادیں) "التي يترس بها الإنسان عند القتال" (جُنّۃ کہتے ہیں وہ ڈھال یا وہ زرہ جو استعمال ہوتی ہے میدان جنگ میں)۔یعنی دشمن کے وار سے بچنے کے لیے اسے کیا کہتے ہیں؟ جُنّۃ کہتے ہیں "بضم الجيم"۔

ایک لفظ رہ گیا ہے کون سا ہے؟ ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ (الناس:6)، ﴿الْجِنَّةِ﴾۔

الجِنّۃ جو ہے "بكسر الجيم" (جیم کی زیر کے ساتھ) "يعني الجن" (جِن کو کہتے ہیں) "لأنهم مستترون" (کیونکہ چھپی ہوئی مخلوق ہے)۔

((تو یہ اصل لفظ ہے))۔

﴿جَنَّتَكَ﴾ یہ مفرد ہے، معلوم یہ ہے اس قصے میں آپ کو پتہ ہے سورۃ الکھف کا یہ قصہ ہے دو ساتھیوں کا یا دو لوگوں کا ،ایک کے پاس دو باغات تھے دوسرے کے پاس نہیں تھے، جس کے پاس دو باغات تھے وہ کفر پر اُتر آیا مغرور ہو گیا، تو اصل قصہ یہ ہے معروف قصہ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب جنتیں دو تھیں یعنی دو باغات تھے تو یہاں پر ایک جنت کا ذکر کیوں ہے؟ ﴿جَنَّتَكَ﴾ جنتین تو نہیں ہے نا ایک جنت کا ذکر ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مفرد ہے (﴿جَنَّتَكَ﴾ مفرد ہے) اور معلوم یہ ہے ان آیات سے یعنی سورۃ الکھف کی آیات سے اس قصے میں کہ دو جنتیں ہیں تو اس کا جواب کیا ہے باغات دو تھے اور یہاں پر ایک کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس آیت میں؟

جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے کہ مفرد مضاف ہے، مفرد کا جب اضافہ کیا جاتا ہے تو پھر عموم اور شمول کا معنی اس میں پایا جاتا ہے اور اس سے مراد یعنی ہر جنت ہے جتنی اُس کے پاس تھیں (جنت یعنی ہر وہ جگہ جو اس کے پاس تھی)، تو ایک جواب تو یہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے (دوسرا جواب یہ ہے) اصل بات یہ ہے کہ جس نے یہ کہا ہے وہ اُس کی (جنت کی) قیمت کو کم کرنا چاہتا ہے (اس کے باغ کی قیمت کو یعنی اتنا ہلکا لے رہا ہے کہ تمہارے جتنے باغات ہیں وہ ایک کے برابر بھی نہیں ہیں) کیونکہ سیاق اور سباق یہ مقام جو ہے اسی پر ہے اور وعظ اور اِعجاب کے تعلق سے یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے اُس

نے اُس کی قدر نہیں کی ہے تو حقیقتاً بے قدرے لوگوں کے لیے جتنی زیادہ نعمتیں ہوں تو اُن کی کوئی قیمت باقی رہتی نہیں ہے (اصل پیغام یہ ہے، سبحان اللہ)۔((دیکھیں لفظ دیکھیں کتنا خوبصورت ہے اور اپنی جگہ پر ہے (سبحان اللہ))۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں، عربی لغت کے اعتبار سے جو پہلی بات ہے وہ زیادہ موزوں ہے کہ ﴿جَنَّتَكَ﴾ مفرد مضاف ہے لیکن دونوں معنی جو ہیں بالکل درست ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقوله: ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾": یہ شاہد ہے، اصل بات ہم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تعلق سے۔

اس کا اعراب کیا ہے "ماشاءاللہ"؟ ہم اکثر کہتے ہیں "ماشاءاللہ" معنی کیا ہے اور یہ لفظ کہاں سے آیا ہے آیئے دیکھتے ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: ﴿مَا﴾ اس کے دو احتمال ہیں موصولہ بھی ہو سکتی ہے شرطیہ بھی ہو سکتی ہے (اور دونوں صحیح ہیں، (ما) موصولة بمعنى الذي، اور شرطیہ بھی ہے)۔

اگر موصولہ کہا جائے؟ اگر موصولہ کو یعنی مانے کہ ﴿مَا﴾ موصولہ ہے تو اس کا اعراب یہ ہے کہ خبر ہے "لمبتدأ محذوف، والتقدير: هذا ما شاء الله"۔ جب ہم کہتے ہیں ماشاءاللہ (اکثر کہتے ہیں ناماشاءاللہ) ہم کیا کہہ رہے ہوتے ہیں اصل میں؟ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔

جملہ کم تو ہے اصل ہے "هذا ما شاء الله" جس کے متعلق ہم بات کر رہے ہیں "یہی جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے"، تو "یہی" کا لفظ تو نہیں ہے۔ "هذا ما شاء الله"، تو "ما" کیا ہے؟ اسم موصول ہے اور اعراب کی خبر "لمبتدأ محذوف، تقديره هذا"۔ "هذا ما شاء الله"، "ما" اسم موصول ہے، "هذا" مبتدأ ہے محذوف ہے نا۔ تو اصل ہے "هذا ما شاء الله"۔ یعنی معنی یہ ہے کہ "هذا ليس بإرادتي وحولي وقوتي" (یعنی میری طاقت اور ارادے سے ہے نہیں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے وہی ہے (کتنا خوبصورت معنی ہے!)) "ولكنه بمشيئة الله" (اللہ تعالیٰ کی چاہت اور مشیئت سے ہے) "أي: هذا الذي شاءه الله" (اگر "ما" نکال دیں "الذي" رکھ دیں "هذا الذي شاءه الله" یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے)۔ یہ ہے ماشاء اللہ (یہ وہ ہے جو اللہ نے چاہا ہے)۔

اگر ہم اسے شرطیہ بنادیں ﴿مَا﴾ شرطیہ ہے "ففعل الشرط" فعل الشرط کیا ہے؟ ﴿شَآءَ﴾ "وجوابه محذوف" (یہاں پر جواب محذوف ہے (وہاں پر مبتدأ محذوف تھا یہاں پر جواب شرط محذوف ہے)) "والتقدير: ما شاء الله كان" (جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوا)۔

کیونکہ جب ہم شرط کی بات کرتے ہیں تو أداة الشرط کے لیے اسم بھی ہوتا ہے اور جواب بھی ہوتا ہے ہمیشہ۔ جب ہم کہتے ہیں ماشاءاللہ اب جملہ شرطیہ اگر کہتے ہیں "ماشاءاللہ" آگے کیا؟ اسم الشرط تو ہے "شاء" جواب الشرط کیا ہے؟ محذوف ہے۔ کیا ہے؟ "ما شاء الله كان" (جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی ہوتا ہے)۔

اسی لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں "كما تقول" (جیسا کہ ہم کہتے ہیں) "ما شاء الله كان، وما لم يشأ لم يكن"۔ "والمراد" (اس کی اصل مراد یہ ہے) "كان ينبغي لك أن تقول حين دخلت جنتك ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ لتتبرأ من حولك وقوتك لا تعجب بجنتك" ((اصل یہ بات ہے یعنی) یہ شخص اپنے اُس دوست یا دوسرے شخص سے کہہ رہا ہے جس کو غرور تھا اپنی جنت پر اپنے باغات کا جب یہ فرمایا ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ یعنی شیخ صاحب فرماتے ہیں "والمراد: كان ينبغي لك أن تقول" (آپ کو یہ چاہیے تھا کہ آپ یہ کہتے جب آپ اپنے باغ میں داخل ہوتے "ماشاءاللہ" تاکہ تم اپنی حول اور قوت سے بَری ہو جاتے اور اپنی جنت پر غرور نہ کرتے (اپنی باغات پر غرور نہ کرتے))۔

﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ ایک جملہ ہے دوسرا ہے ﴿لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اس پر بات کرتے ہیں۔

"وقوله: ﴿لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾"۔ اس کا اعراب کیا ہے؟ ﴿لَا﴾ "نافية للجنس و﴿قُوَّةَ﴾: نكرة في سياق النفي، فتعم" (عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں پر بھی عموم ہے) "والقوة صفة يتمكن بها الفاعل من فعل ما يريد بدون ضعف" ((اور قوۃ پہلے درس میں گزر چکا ہے کہ معنی قوت کا کیا ہے) القوۃ یہ وہ صفت ہے جس میں جو فاعل ہے فعل کرنے والا وہ جو فعل کرنا چاہتا ہے وہ فعل کرتا ہے بغیر کمزوری کے بغیر ضعف کے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں "فإن قيل: ما الجمع بين عموم نفي القوة الا بالله ، وبين قوله تعالى: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ إلى آخر الآية (الروم:54)"، "وقال عن عاد: ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

قُوَّةً أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾إلي آخر الآية (فصلت:15)''،''ولم يقل: لا قوة فيهم، فأثبت للإنسان قوة''۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، یہاں پر تو﴿لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ﴾ میں قوت کی نفی ہے مگر اللہ تعالیٰ سے، چاہت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور قوت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن شیخ صاحب فرماتے ہیں یہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے طاقت کو ثابت کیا ہے۔

قوت انسان کی بھی ثابت کی ہے جیسا کہ ان دو آیتوں میں سورۃ الروم آیت نمبر 54 میں اور سورۃ فصلت آیت نمبر 15 میں بھی اس کا ذکر ہے، ان آیات میں انسان کے لیے قوت کو ثابت کیا گیا ہے اور سورۃ الکھف کی اس آیت﴿لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ﴾ میں قوت کی نفی کی گئی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قوت کا ذکر ہے۔

دونوں کو جمع کیسے کیا جا سکتا ہے سوال بنتا ہے کہ نہیں؟ آئیں دیکھیں جواب دیکھیں:

''فالجواب: أن الجمع بأحد الوجهين'' (اس کے دو طریقے ہیں جمع کرنے کے)''الأول: أن القوة التي في المخلوق كانت من الله عز وجل'' (جو مخلوق میں قوت ہے کہاں سے آئی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے)''فلولا أن الله أعطاه القوةلم يكون قوياً''(اگر اللہ تعالیٰ اسے یہ قوت یہ طاقت نہ دیتا تو وہ کبھی طاقتور ہو ہی نہیں سکتا ہمیشہ کمزور رہتا)''فالقوة التي عند الإنسان مخلوقة لله فلا قوة في الحقيقة إلا بالله'' (جو بھی قوت انسان کے پاس ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہ قوت مخلوق ہے انسان کی طرح انسان کے اندر بھی مخلوق ہے''فلا قوة في الحقيقة إلا بالله''تو حقیقت میں قوت صرف اللہ ہی سے ہے اللہ تعالیٰ ہی کی ہے)۔ واضح ہے۔

دوسرا جواب''الثاني: أن المراد بقوله: ﴿لَا قُوَّةَ﴾، أي: لا قوة كاملة إلا بالله عز وجل'' (کہ کامل قوت جو ہے کامل قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے باقی جو مخلوق کی قوت ہے وہ سب قوت کے ہوتے ہوئے بھی ضعیف ہے کمزور ہے)۔

''وعلى كل حال، فهذا الرجل الصالح أرشد صاحبه أن يتبرأ من حوله وقوته، ويقول: هذا بمشيئة الله وبقوة الله''(بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص جو ہے''الرجل الصالح أرشد صاحبه''اپنے اس ساتھی سے یہ کہا کہ وہ اپنی حول اور قوت سے بَری ہو جائے اور اسے یہ کہنا چاہیے کہ''هذا بمشيئة الله وبقوة الله'' کہ جو بھی اس کے پاس نعمتیں ہیں (اور حق بھی یہی

ہے کہ جو بھی ہمارے پاس نعمتیں ہیں جو بھی کسی انسان کے پاس نعمتیں ہیں) وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ کی چاہت اور مشیئت اور اللہ تعالیٰ کی طاقت سے ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سے ہے)۔

ورنہ انسان کی نہ ہی کوئی قدر ہے نہ ہی کوئی قیمت ہے نہ ہی کوئی چاہت ہے نہ ہی کوئی مشیئت ہے اور نہ ہی کوئی قوت ہے اس اعتبار سے لیکن چاہت تو انسان کی بھی ہے لیکن ہوتا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو انسان کی چاہت اللہ تعالیٰ کی چاہت کے ماتحت ہے، انسان کی طاقت اللہ تعالیٰ کی طاقت کے ماتحت ہے انسان کمزور ہے مسکین ہے حقیر ہے فقیر ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے اس طاقت سے، اس طاقت کی طاقت سے، یا اس طاقت کی صفت سے نہ نوازتا اس نعمت سے نوازتا تو انسان کہیں کا نہیں ہے!

چھوٹے بچے کو دیکھ لیں آپ پیدا ہوتا ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ (الروم:54) کمزوری سے، پھر اس کمزوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہے پھر جوانی بھی ہوتی ہے پھر طاقت بھی آتی ہے ورنہ دیکھ لیں بچہ جو پڑا ہے اگر اسے ماں دودھ نہ پلائے تو بھوکا پیاسا مر جائے، اس کے پاس اتنی طاقت بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کچھ کر پائے اگر مکھی بھی بیٹھ جائے تو مکھی نہیں ہٹا سکتا وہ اپنے جسم سے! یہ طاقتور انسان حقیقت کیا تھا؟ کمزور اور ضعیف تھا۔

اس کے وجود میں دیکھیں اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ آسان نہ کرتا ماں کے پیٹ سے نکل سکتا کبھی؟! وجود کے اعتبار سے دیکھ لیں اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو ہم کبھی وجود میں آ سکتے؟! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو اس سے بڑھ کر کمزوری انسان کی کیا ہو سکتی ہے؟! (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ثبوت ملتا ہے اسم اللہ "الله" (اللہ تعالیٰ کے نام کا ثبوت ملتا ہے) "وإثبات ثلاث صفات" (تین صفات) "الألوهية، والقوة، والمشيئة"۔

﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ میں ایک تو نام ہے اللہ تعالیٰ کا ﴿اللّٰهُ﴾ اور پھر تین صفات ہیں کون سی؟ "الألوهية" کہاں سے آئی ہے؟ اللہ کے لفظ سے صفۃ الألوھیۃ پائی جاتی ہے۔ "والقوة، والمشيئة": قوت ﴿لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾، مشیئت ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ یہ تین صفات موجود ہیں۔

"ومشيئة الله"(اللہ تعالیٰ کی مشیئت کا معنی کیا ہے)"هي إرادته الكونية"(یہ اللہ تعالیٰ کا کونی ارادہ ہے(ور کونی ارادے سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ ہو کر رہتا ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کو ناگاور قدراًوہ ہو کر رہتا ہے اسے کہتے ہیں "مشیئۃ اللہ" چاہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرے یا نہ کرے اور تمام چیزوں پر بندوں پر)"بدون تفصيل"(نافذ ہو کر رہتی ہے اس کا نفاذ ہو کر رہتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہر اعتبار سے ہو کر رہتا ہے سوال ہی نہیں پیدا کہ وہ کبھی ممکن نہ ہو یا کبھی نہ ہو سکے)" فكل ما شاء الله وقع ولا بد"(جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے وہ ہوا ہے اور لازمی اس نے ہونا تھا)"سواء كان فيما يحبه ويرضاه أم لا" (اور چاہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرے یا راضی ہو یا نہ ہو)۔

یہ مشیئۃ اللہ ہے کیونکہ آگے ارادے کی بات بھی ہونی ہے تو ارادے اور مشیئت میں فرق بھی آگے بیان کریں گے ان شاءاللہ۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ (البقرۃ:253)"إلي آخر الآية"(آیت کے آخر تک)۔

"﴿لَوْ﴾: حرف امتناع لامتناع"(﴿لَوْ﴾ کا حرف جو ہے امتناع لا متناع بیان کیا جاتا ہے کسی چیز کے منع کرنے کے لیے جواب میں بھی اس کا منع ہوتا ہے اس لیے استعمال ہوتا ہے)"و إن كان جوابها منفيا بـ (ما)، فإن الأفصح حذف اللام" (اور اگر جواب نفی کے لیے ہو تو پھر عربی فصاحت کے اعتبار سے لام کو محذوف ہونا چاہیے جواب میں(آگے بیان ہو گا))"وإذا كان مثبتاً" (اور جواب اگر اثبات میں ہو مثبت ہو)"فالأكثر ثبوت اللام"(اور اکثر لام کو ثابت کیا جاتا ہے)۔ مثال دیکھیں: "كما قال تعالى"(جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے) ﴿لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا﴾ إلي آخر الآية (الواقعہ:65)۔

یہاں پر﴿لَوْ نَشَآءُ﴾، جواب میں لام ہے﴿لَجَعَلْنٰهُ﴾، تو یہ لام جو ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر منفی میں ہو(یعنی نہ میں ہو) تو اُفصح یہ ہے کہ لام کو محذوف ہونا چاہیے، اور اگر مثبت میں ہو کہ یہ ہونا ہے تو لام کو ثابت ہونا چاہیے

"فنقول: الأكثر، ولا نقول: الأفصح" (اکثر یہ ہے، اُفصح نہیں کہتے)"لأنه ورد إثبات اللام وحذفها في القرآن الكريم" (کیونکہ قرآن کریم میں دونوں موجود ہیں)۔

"لَوْ" کے جواب میں لام ہو بھی سکتا ہے نہیں بھی ہو سکتا ہے، عام طور پر عربی گرامر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نفی کے لیے "لَوْ" کے بعد جو جواب ہے وہ نفی کے لیے ہے اس کی نفی کی جارہی ہے تو لام کا حرف ہونا بہتر ہے اُفصح ہے، اور ثبوت کے لیے لام کا ہونا زیادہ بہتر ہے "الأكثر"، اُفصح نہیں فرمایا کیونکہ قرآن مجید میں دونوں ہیں۔

اب دوسری مثال دیکھیں "فنقول: الأكثر، ولا نقول: الأفصح،لأنه ورد إثبات اللام وحذفها في القرآن الكريم:﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾(الواقعہ:70)"۔"لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰهُ" نہیں ہے،﴿لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا﴾۔

"وقولنا: إن الأفصح حذف اللام في المنفي" (اور اُفصح یہ ہے کہ نفی میں لام کو حذف ہونا چاہیے)"لأن اللام تفيد التوكيد" (کیونکہ لام تو تاکید کے لیے استعمال کی جاتی ہے (نفی بھی کی جارہی ہے اور تاکید بھی کی جارہی ہے اس لیے))

"والنفي ينافي التوكيد" (نفی جو ہے تاکید کے منافی ہے)"ولهذا كان قول الشاعر" اس لیے شاعر کا یہ قول:

وَلَو نعطى الخيار لما افترقنا ، ولكن لا خيار مع الليالي

"خلاف الأفصح"(تو یعنی اس شاعر سے غلطی ہوئی ہے یہ اُفصح کے خلاف ہے)"والأفصح" (اور زیادہ فصاحت اس اعتبار سے ہے)"لو نعطى الخيار ما افترقنا" (لام نہیں ہونا چاہیے لام کے بغیر "ما افترقنا" ہونا چاہیے تھا)۔

"قوله: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾"یہ شاہد ہے:"﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ الضمير يعود على المؤمنين والكافرين"،﴿مَا اقْتَتَلُوْا﴾ (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے)۔ کون قتال نہ کرتے ضمیر کس کی طرف ہے ؟ شیخ صاحب فرماتے ہیں مومن اور کافر دونوں کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾إلى آخر الآية(البقرۃ:253)

((اس آیت کی ابتداء اصل میں یہاں سے ہے))۔

اور اس میں شیخ صاحب فرماتے ہیں واضح رَد ہے تقدیر کے منکرین کا (القدریۃ کہتے ہیں تقدیر کے منکروں کو القدریۃ گروہ جو ہے)، جو انکار کرتے ہیں بندے کے فعل کا اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے کہتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا بندے سے کہ وہ کوئی عمل کرے بندہ اپنے عمل کا خود مختار ہے" اور تقدیر کا انکار کر دیتے ہیں،"لأن الله قال" (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے)"﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ يعني: ولكنه شاء أن يقتتلوا فاقتتلوا،ثم قال: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ ، أي: يفعل الذي يريده، والإرادة هنا إرادة كونية"۔

یعنی شیخ صاحب فرماتے ہیں اس آیت میں رَد کیسے ہے، قدریوں کا رَد کیسے ہے؟ جو تقدیر کے منکر ہیں کیسے رَد ہے یہاں پر اس آیت میں؟ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ قتال ہوا آپس میں نہ ہوا؟ ہوا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کا قتال آپس میں نہ ہوتا۔

قتال کس کا فعل ہے؟ بندے کا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ نہیں چاہا ہے؟ چاہا ہے تو قتال ہوا ہے نا۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو کبھی قتال ہو سکتا؟ نہ ہو سکتا۔ تو کیا پھر بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے جڑا ہوا ہے کہ نہیں؟ جڑا ہوا ہے نا۔ تو رَد ہوا کہ نہ قدریہ کا؟

اور یہاں پر ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ کیونکہ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ ، ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾ مشیئت آ گئی ہے، ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ ارادہ بھی آ گیا ہے، تو شیخ صاحب فرماتے ہیں، ارادہ ہونا جو ہے ارادہ کونیہ ہے کیونکہ مشیئت کا معنی ارادہ کونیہ کے مترادف ہے۔

" وقوله: ﴿يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾: الفعل باعتبار ما يفعله سبحانه وتعالى بنفسه فعل مباشر"، اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ہے جو اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے (جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے) اس کی دو قسمیں ہیں دو اعتبار ہیں:

1-ایک یہ ہے جو اللہ تعالیٰ خود فعل کی مباشرت فرماتا ہے (خود فعل کرتا ہے)۔

2-اور دوسرا اعتبار ہے کہ جو اللہ تعالیٰ بندوں پر مقرر فرماتا ہے تقدیر میں اور بندے کا اپنا فعل ہوتا ہے براہ راست، اللہ تعالیٰ کا فعل اس میں نہیں ہوتا۔ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں ہوتی ہے اس فعل کی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے پیدا بھی کیا ہے توفیق بھی دی ہے کیونکہ انسان اور اس کا فعل دونوں مخلوق ہیں (اصل بات یہ ہے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) "لأنه من المعلوم أن الإنسان إذا صام وصلى وزكى وحج وجاهد، فالفاعل الإنسان بلا شك" جب انسان معلوم یعنی مسلّمات میں سے معلوم بات ہے کہ انسان جب روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے

،زکوۃ دیتا ہے، حج کرتا ہے، جہاد کرتا ہے، اصل فاعل جو ہے کون ہے ؟انسان ہے اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے (بے شک انسان ہی ہے)۔اور یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے کہ نہیں ؟اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے تو ہوا ہے نا(سبحان اللہ)،اور یہ صحیح نہیں ہے کہ بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو"على سبيل المباشرة" کہ اللہ نے ہی کیا ہے (جیسے جبری کہتے ہیں)۔کیونکہ اصل مباشرت کس نے کی ہے اصل فعل کس نے کیا ہے ؟انسان نے کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت کی جاتی ہے جو صحیح نسبت ہوئی ہے "على سبيل التقدير والخلق" تقدیر اور خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے اس اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔

جو اللہ تعالیٰ خود فعل فرماتا ہے جیسا کہ عرش پر مستوی ہونا،اور اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا،اللہ تعالیٰ کا نازل ہونا السماء الدنیا پر، اللہ تعالیٰ کا ہنسنا جو ہے یہ سب اور اس طریقے کی اور جو صفات ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف براہ راست ان کی نسبت کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ افعال خود فرمائے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے "اللہ" کا نام ثابت ہوتا ہے اور صفات میں سے تین صفات ہیں "المشيئة، والفعل، والإرادة" یہ تین ہیں۔

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾(المائدۃ:1)۔

﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ﴾ "المحل هو الله عز وجل" (تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں)۔کس نے حلال کی ہیں ؟اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں،اور اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حلال اور حرام کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے،اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ" (ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں (جیسا کہ مسند احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے اور صحیح حدیث ہے))،اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے "إِنَّ اللَّهَ يُحَرِّمَ عَلَيْكُمْ" (اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر یہ حرام کر دیا ہے)،اور اسی طریقے سے خبر بھی دی ہے "أنه حُرِّم" (تمہارے اوپر حرام کر دیا گیا ہے)

"وربما يحرم تحريماً يضفيه إلى نفسه، لكنه بإذن الله" (اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف نسبت کرتے تحریم کی کہ یہ میں نے حرام کیا ہے یا یہ چیز حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت سے (معنی یہ ہوتا ہے))۔

﴿بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ کسے کہتے ہیں؟ "الإبل والبقر والغنم" ان کو کہتے ہیں بھیمۃ الأنعام عربی زبان میں۔ جو چوپائے جانور ہوتے ہیں ان کو بھیمۃ، اور أنعام جمع ہے نعم کی جیسے "كأسباب جمع سبب"۔ سبب کی جمع کیا ہے؟ اسباب۔ نعم کی جمع أنعام اور أنعام کہتے ہیں چوپائے جانوروں کو جس میں "الإبل والبقر والغنم" (یہ تین چیزیں ہیں اونٹ، گائے، اور بھیڑ بکری)۔

﴿بَهِيمَةُ﴾ کو کیوں بھیمۃ کہا جاتا ہے یہ لفظ کہاں سے آیا ہے؟ "لأنها لا تتكلم" (کیونکہ بات کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے اس لیے بھیمۃ کہا جاتا ہے)۔

﴿إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی "إلا الذي يتلى عليكم في هذه السورة" (مگر وہ جو تمہارے اوپر تلاوت کیا گیا ہے بیان کیا گیا ہے اس سورۃ میں اور یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سورۃ المائدۃ آیت نمبر 3 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ إلى آخر الآية، استثناء جو ہے اس آیت میں منقطع ہے اور متصل بھی ہے (دونوں ہیں)۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ﴾ تمہارے اوپر حرام کر دیئے گئے کیا؟ ﴿الْمَيْتَةُ﴾ (مردار جانور)۔ یہ کیا ہے؟ متصل ہے استثناء جو ہے کیونکہ ﴿بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ پہلے فرمایا ہے نا اور ﴿الْمَيْتَةُ﴾ بھیمۃ الأنعام میں سے ہے جو مردار جانور ہیں چاہے بکری ہو بھیڑ ہو اونٹ ہو یا گائے ہو تو یہ حرام ہے۔

﴿وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ سور کا گوشت اس کا بھیمۃ الأنعام سے تعلق ہے؟ نہیں ہے یہ الگ ہے کیونکہ خنزیر أنعام میں سے ہے ہی نہیں الگ جانور ہے تو اس کا گوشت حرام ہے۔ یہ استثناء کون سا ہے؟ منقطع ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق بھیمۃ الأنعام سے نہیں ہے (جب تعلق نہ ہو لا تعلقی ہو اور استثناء ہو تو یہ استثناء منقطع ہوتا ہے کہ اس میں انقطاع ہے)۔

"وقوله: ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾: ﴿غَيْرَ﴾: حال من الكاف في ﴿لَكُمْ﴾ ، يعني: حال كونكم لا تحلون الصيد وأنتم حرم" یعنی احرام کی حالت میں جو شکار تم پر حرام ہے اس کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ استثناء بھی منقطع ہے کیونکہ جو شکار ہے وہ بھی بھیمۃ الأنعام میں سے نہیں ہے کیونکہ شکار نہ بکری کا کیا جاتا ہے نہ بھیڑ کا کیا جاتا ہے، نہ ہی اونٹ کا نہ گائے کا۔ یہ استثناء بھی کون سا ہے؟ منقطع ہے۔

﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ﴾ "يعني: قاتليه في الإحرام" (صید کہتے ہیں شکار کو، تو شکار کو حلال کرنا احرام کی حالت میں) "لأن الذي يفعل الشيء يصير كالمحل له" (کیونکہ جو کوئی فعل کرتا ہے تو گویا کہ اُس نے اُسے حلال کر دیا ہے)۔

اور صید کہتے ہیں "هو الحيوان البري المتوحش المأكول" (جن میں یہ چار صفات یا یہ تین صفات پائی جائیں کہ حیوان ہے، بَری متوحش ہے اور ماکول جس کا گوشت کھایا جاتا ہے (یعنی پالتو جانور کو صید نہیں کہا جاتا))۔

پالتو جانور کو مار نا ذبح کر کے کھانا اس کو شکار کہتے ہیں کیا؟ اب بکری ذبح کرے گا تو شکار کر لیا آپ نے؟ تو شکار ہمیشہ ہی ایک جنگل میں رہنے والے اُس جانور کا ہوتا ہے لیکن جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

تو اصل یعنی احرام کی حالت میں شکار حرام ہے کون سا شکار حرام ہے؟ سمندر کا شکار مچھلی کا شکار حرام نہیں ہے۔ سمندر کا شکار حرام نہیں ہے تو کون سا شکار ہے؟ بَری جانور کا شکار جو ہے وہ حرام ہے۔

"وقوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾" ((یہ شاہد ہے) بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے)۔

کون سا ہے؟ "هذه الإرادة شرعية، لأن المقام مقام تشريع" (یہ ارادہ جو ہے اللہ تعالیٰ کا شرعی ارادہ ہے)۔

((ارادے کی پہلی قسم کیا تھی؟ کونی ارادہ ہو کر رہتا ہے۔ یہ ارادہ کون سا ہے؟ شرعی ارادہ ہے۔ کیونکہ مقام کیا ہے یہاں پر؟ مقام تشریع ہے، شریعت کی بات ہو رہی ہے حلال اور حرام کی بات ہو رہی ہے نا تشریع کی بات ہو رہی ہے))۔

"ويجوز أن تكون إرادة شرعية كونية" (یہ ممکن ہے کہ ارادہ شرعیہ اور کونیہ دونوں ہوں) "ونحمل الحكم على الحكم الكوني والشرعي" (حکم کونی اور شرعی دونوں ہیں) "فما أراده كوناً، حكم به وأوقعه" (جو اللہ تعالیٰ نے کوناً چاہا ہے اس کا حکم بھی

دیا ہے اور اسے پیدا بھی کیا ہے اور واقع بھی ہوا ہے)"وما أراده شرعاً، حكم به وشرعه لعباده" (اور جو اللہ تعالیٰ نے شرعاً ارادہ کیا ہے اس کا حکم بھی دیا ہے اور بندوں کے لیے مشروع بھی فرمایا ہے)۔

"في هذه الآية من الأسماء"(اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے اللہ نام ہے)"و من الصفات" (اور صفات تین ہیں) "التحليل، والحكم، والإرادة" (تحلیل کی صفت کہ اللہ تعالیٰ حلال فرماتا ہے چیزوں کو"والحکم"اور حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہے "والإرادة"اور ارادے کی صفت بھی ان آیات میں موجود ہے)۔

"الآية الرابعة" (چوتھی آیت)"قوله"(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)"﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾إلي آخر الآية (الانعام:125)"۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾، یہاں پر مراد جو ہے اللہ تعالیٰ کے ارادے کی "الإرادة الكونية" (کونی ارادہ ہے)، اور ہدایت سے مراد "بالهداية هداية التوفيق"(توفیق کی ہدایت (یعنی دل کی ہدایت))۔

ہدایت کی دونوں قسمیں ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں: ایک ہے دل کی ہدایت جو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے ہدایت دے دے، اور دوسری ہدایت رہنمائی کی "الدلالۃ والارشاد" جیسے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور جو دعاۃ ہیں علماء ہیں مصلحین ہیں جب کسی کی رہنمائی خیر کی طرف کرتے ہیں تو ہدایت کا معنی یہ ہے کہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں، اور اصل ہدایت جو ہے دل کی ہدایت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

یہاں پر ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ﴾ (اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں) ﴿يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (اللہ تعالیٰ اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے)، تو یہاں پر جو الفاظ ہیں ارادے کے وہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے، ہدایت ہے اور سینے کی کشادگی ہے اسلام کے لیے (یہ الفاظ ہیں)۔ ارادہ کون سا ہے؟ ارادہ کونیہ ہے۔ کیونکہ دل کی ہدایت جو ہے جسے اللہ تعالیٰ دے دے اسے کوئی روک سکتا ہے؟ کوئی تبدیل کر سکتا ہے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو ارادہ کونیہ ہے اور ہدایت کون سی ہے؟ دل کی ہدایت اور توفیق کی ہدایت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی کو اس عظیم نعمت سے نواز دیتا ہے ہدایت کی نعمت سے نواز دیتا ہے حالت اس کی کیا ہوتی ہے ؟ سینہ اس کا کشادہ ہو جاتا ہے ﴿لِلْإِسْلَامِ﴾ دین اسلام شریعت کے احکام کے لیے بھی اور شریعت کے جو دین کے مختلف حصے ہیں تمام چیزوں کے لیے (عقیدے کے اعتبار سے ،عبادات کے اعتبار سے، معاملات کے اعتبار سے ،ہر اعتبار سے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں، جب بھی دین پر کوئی عمل کرتا ہے تو خوش ہو کر کرتا ہے اپنے سینے میں کشادگی محسوس کرتا ہے چہرے پر رونق بھی نظر آتی ہے اس کے، شیخ صاحب فرماتے ہیں، اگر تم اپنے آپ سے یہ چیز جان لو یعنی جب آپ نماز پڑھتے ہیں آپ کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے چہرے پر رونق آجاتی ہے آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اسے خوشی اور سرور کہتے ہیں۔

جب آپ روزہ رکھتے ہیں آپ کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ سینہ کشادہ ہو جاتا ہے، آپ صدقہ دیتے ہیں سینہ کشادہ ہو جاتا ہے، آپ حج عمرہ کرتے ہیں آپ کی حالت وہ نہیں ہے جو اس سے پہلے کی ہے، سینہ کشاہ ہو جاتا ہے خوشی طاری ہو جاتی ہے، آپ کسی غریب کی مدد کرتے ہیں سینہ کشادہ ہو جاتا ہے، آپ والدین سے یعنی حسن سلوکی کرتے ہیں سینہ کشادہ ہو جاتا ہے خوشی طاری ہو جاتی ہے، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں آپ کی یہ حالت ہوتی ہے۔

اگر آپ کی یہ حالت ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں "فاعلم أن الله أراد بك خيراً" ((بڑی پیاری بات ہے) جب آپ دین پر کوئی عمل کرنے کے بعد آپ کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے تو یہ یقین جانیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے خیر کا ارادہ فرمایا ہے) "وأراد لك هداية" (اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ آسان کر دیا ہے)۔

کوئی شخص دیکھنا ہے چاہتا ہے کہ اس کے دل کو ہدایت ہے کہ نہیں ہے یہ ٹیسٹ ہی کافی ہے اس کے لیے کیونکہ (نعوذ باللہ) ایسے لوگ بھی ہیں اس کے برعکس کہ نماز پڑھتے ہیں بڑی مشکل سے پڑھتے ہیں ایک بوجھ سر سے اتارتے ہیں (نعوذ باللہ) اور پڑھتے وقت پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ نماز پڑھی ہی نہیں ہے اتنی اسپیڈ سے پڑھتے ہیں! یا پڑھتے ہی نہیں ہیں۔ کتنے لوگ ہیں نعوذ باللہ! (إلا من رحم اللہ سبحانہ وتعالیٰ)۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں "أما من ضاق به ذرعاً" (لیکن وہ جس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے) "والعياذ بالله فإن هذا علامة على الله لم يرد له هداية، وإلا لا نشرح صدره" (اور جس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے دین پر عمل کرتے ہوئے دین کے کسی عمل کے لیے (داڑھی رکھنے کے لیے دل تنگ ہو گیا ہے، پردے کی بات کریں تو عورت کے چہرے پر ناگواری ہو جاتی ہے اعتراضات ہوتے ہیں اگر وہ نقاب پہن بھی لیتی ہے برقعہ پہن بھی لیتی ہے تو سینہ تنگ ہو جاتا ہے))، شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دین پر کسی عمل کے لیے اگر سینہ تنگ ہو جاتا ہے تو یہ اچھی طرح جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ہدایت کا ارادہ نہیں کیا ہے۔

اگر ہدایت یافتہ ہوتے تو آپ خود ہی جان لیتے کہ آپ کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے خوشی ہوتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی ہے اور آپ عمل کرنے والے ہیں تو آپ کی حالت کیسی ہوتی؟ خوشی ہوتی نا (اطمینان، خوشی، دل میں سکون اور سینے میں کشادگی تو حالت ایسی ہونی چاہیے)۔

تو یہ ٹیسٹ ہے جسے اے سی ٹیسٹ کہتے ہیں نا ایک طریقے سے تو انسان خود اپنے آپ کو تول کر دیکھ سکتا ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)، کوتاہیاں ہم سب کے اندر ہیں کمزوریاں سب کے اندر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو تو پھر (الحمد للہ) سینے کی کشادگی آسان ہو جاتی ہے اور دین پر عمل کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے، توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ((تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حاضرین و سامعین کو ہدایت دے اور ہمارا سینہ بھی کشادہ کر دے دین پر عمل کرتے ہوئے))۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں، اب مثال دیکھ لیں آپ کہ نماز جو منافقین پر سب سے زیادہ بھاری ہے لیکن مخلصین کے قرۃ العین ہے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (منافقین کے لیے سب سے بھاری ہے مشکل کام ہے (سبحان اللہ) اور مخلصین کے لیے مومنوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، فرق دیکھا ہے!)۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمُ النِّساءُ والطِّيبُ وجُعِلَت قُرَّةُ عَيني فِي الصَّلاةِ"، اسے مسند احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے صحیح سند کے ساتھ صحیح حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (مجھے پسند کر دیا گیا ہے (یعنی مجھے یہ چیزیں پسند ہیں تمہاری دنیا میں سے)) "النِّساءُ والطِّيبُ" (عورتیں اور خوشبو جو ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے)۔

اور اس میں کوئی شک نہیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "أكمل الناس إيماناً" (لوگوں میں سب سے کامل ایمان اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے) "فانشرح صدره بالصلاة وصارت قرة عينه" (تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ کشادہ ہوا نماز سے اور نماز آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی اللہ تعالیٰ کی پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اگر کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ نماز تم پر واجب ہے باجماعت مسجد میں، اور اُس کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور اُس نے یہ کہہ دیا "الحمد لله الذي شرع لي ذلك، ولولا أن الله شرعه، لكان بدعة" (کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا مشروع فرمایا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے مشروع نہ کرتا تو بدعت ہوتا (میں یہ عمل نہ کر سکتا)) "وأقبل إليه، ورضي به" (اور اُس نے مسجد میں جا کر نماز بھی پڑھی باجماعت اور اس پر راضی بھی ہوا) "فهذا علامة على أن الله أراد أن يهديه وأراد به خيراً" (یہ علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ساتھ جو ہے ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے اور خیر کا ارادہ فرمایا ہے)۔

"قال: ﴿يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِ﴾: ﴿يَشۡرَحۡ﴾: بمعنى يوسع" (﴿يَشۡرَحۡ﴾ یعنی کشادہ کرنا) "ومنه قول موسى عليه الصلاة والسلام لما أرسله الله إلى فرعون" (جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو دعا میں یہ فرمایا) ﴿رَبِّ ٱشۡرَحۡ لِي صَدۡرِي ٢٥ وَيَسِّرۡ لِيٓ أَمۡرِي ٢٦﴾ (طہ: 25-26)، سورۃ طہ آیت نمبر 25 میں ﴿رَبِّ ٱشۡرَحۡ لِي صَدۡرِي﴾ "يعني: وسع لي صدري في مناجاة هذا الرجل ودعوته، لأن فرعون كان جباراً عنيداً" ("کہ اے اللہ تعالیٰ! میرا سینہ کشادہ کر دے"، یہ دعا مانگی اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے کیونکہ یہ جو شخص یعنی فرعون جو ہے بہت ہی سخت قسم کا جبار قسم کا اور ہٹ دھرم قسم کا شخص تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کے پاس جا کر اسے دعوت دوں ((بنی اسرائیل کے تعلق سے بات کروں تو معاملہ تو مشکل تھا اس لیے ﴿رَبِّ ٱشۡرَحۡ لِي صَدۡرِي﴾ میرا سینہ کشادہ کر دے اے میرے ربّ (سبحان اللہ))۔

"وقوله: ﴿لِلۡإِسۡلَٰمِ﴾: هذا عام لأصل الإسلام" (﴿لِلۡإِسۡلَٰمِ﴾ یہ اسلام کا لفظ جو ہے یہ عام ہے) "لأصل الإسلام وفروعه وواجباته" (اسلام کے فروع، اصول، واجبات سب اس میں شامل ہیں) "وكلما كان الإنسان بالإسلام وشرائعه

أشرح صدراً، كان أدل على إرادة الله به الهداية" (اور ترازو یہ ہے کہ جتنا انسان دین اسلام اور اس کی شریعتیں جو ہیں مختلف اس کے جو حصے ہیں اُن پر عمل کرنے والا بن جاتا ہے اس کا سینہ اتنا ہی زیادہ کشادہ ہوتا ہے اور یہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے اور اسے ہدایت کا ارادہ کیا ہے)۔

دوسری طرف "وقوله: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ إلي آخر الآية" (نعوذ باللہ)۔

سورۃ الانعام آیت نمبر 125 کے اگلے جو جملے ہیں: "من يرد أن يضله" (جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے گمراہی کا) "يجعل صدره ضيقاً حرجاً" (اس کا سینہ اللہ تعالیٰ تنگ کر دیتا ہے (نعوذ باللہ)) "أي: شديد الضيق" (بہت ہی تنگ کر دیتا ہے) "ثم مثل ذلك بقوله" (پھر اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے) ﴿كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ ((یعنی جب اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے اس شخص کے سامنے تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے) گویا کہ وہ شخص کسی اونچائی کی طرف جا رہا ہے اور وہ مشقت جھیل رہا ہے) "ولهذا جاءت الآية: ﴿يَصَّعَّدُ﴾ بالتشديد" (یَصْعَد نہیں ﴿يَصَّعَّدُ﴾ (ایک "یَصْعَد" آرام سے جانا، ایک "یَصَّعَّدُ" مشقت کے ساتھ اوپر جانا)، اور جو یعنی مشقت کے ساتھ اوپر جاتا ہے تو یقیناً وہ تھک بھی جاتا ہے اور مایوس بھی ہو جاتا ہے کیونکہ بہت تکلیف کے ساتھ وہ اوپر کی طرف جاتا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں، فرض کریں کہ یہ شخص جو ہے اسے یہ کہا گیا ہے کہ تم اس اونچے پہاڑ کی طرف اوپر جاؤ اس پہاڑ پر چڑھو، اور جب اوپر کی طرف جاتا ہے تو یقیناً اسے مشکل پیش آتی ہے اور تکلف سے کام لیتا ہے، اُسے یعنی تکلیف بھی ہوتی ہے اور اس کا سانس بھی پھول جاتا ہے سینہ بھی تنگ ہو جاتا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ)، اور متأخرین (یعنی آج دور حاضر میں) یعنی سائنسدان اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص بلندیوں کی طرف جاتا ہے اور جو پریشر (Pressure) ہے ہوا کا وہ بڑھ جاتا ہے اس کے اوپر اور اس کی وجہ سے جو ہے اس کا سینہ وہ تنگ ہو جاتا ہے اور سانس پھول جاتی ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں چاہے معنی پہلا ہو یا دوسرا ہو یعنی ایک تو اوپر کی طرف جانا کہ جو انسان پہاڑ پر جاتا ہے اور "یَصَّعَّدُ" میں مشقت محسوس ہوتی ہے یا پریشر (Pressure) کی وجہ سے، کبھی ویسے بھی آپ جانتے ہیں کہ جیسے ہی انسان

بلندی پر جاتا ہے تو آکسیجن کم ہو جاتی ہے تو تیسرا یہ معنی بھی شامل ہے، تو ہر اعتبار سے سینے کی تنگی اس سے جڑی ہوئی ہے کہ جب انسان اوپر کی طرف جاتا ہے تو سینے کی تنگی ہو جاتی ہے۔((تو یہ مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے))۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفۃ الارادہ کا ثبوت ملتا ہے اور یہاں پر جس ارادے کا ذکر ہے اس آیت کریمہ میں یہ ارادہ کون سا ارادہ ہے؟ ارادۃ الکونیہ (شرعی نہیں ہے)۔

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ﴾، یا دوسری طرف ﴿وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ﴾ یہ تقسیم جو ہے یہ صرف اُمور کونیات میں ہے شرعاً نہیں ہے، اللہ تعالیٰ یعنی سب سے چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے لیے اسلام میں داخل ہو جائے۔

"وفيها من السلوك والعبادة أنه يجب على الإنسان أن يتقبل الإسلام كله"، اور اس میں جو مسلکی اور سلوک اور عبادت کے اعتبار سے جو ہمیں فائدہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو مکمل دین اسلام کو قبول کرنا چاہیے اور اس میں داخل ہونا چاہیے صحیح طریقے سے، اصول اور فروع سب پر عمل کرنا چاہیے اور جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حق سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حق سے ہے ان سب کو بجالانا ہے، اور اس پر یہ واجب ہے کہ اس کا سینہ کشادہ ہونا چاہیے دین پر عمل کرتے ہوئے، اگر اس طریقے سے اس کا سینہ کشادہ نہیں ہوتا تنگ محسوس ہوتا ہے تو پھر دوسری قسم میں سے ہے (نعوذ باللہ) یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا یا گمراہی کا ارادہ فرمایا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ"((متفق علیہ حدیث میں) جس کی اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے)۔

اور "الفقه في الدين" جو ہے اس سے مراد کیا ہے؟ دین کو قبول کرنا دین پر عمل کرنا، باعمل مسلمان ہونا، کیونکہ جس نے بھی دین کو سمجھا ہے (یعنی صحیح سمجھا ہے معرفت رکھی ہے) تو اسے قبول بھی کرتا ہے اسے پسند بھی کرتا ہے یعنی اس کے لیے عمل بھی آسان ہو جاتا ہے۔

اگلے درس میں ان شاء اللہ تھوڑی سی چیز رہ گئی ہے یعنی ایک ضمیمے کے طور پر شیخ صاحب نے یہاں پر ایک اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے لیے اور حکم کو ماننے کے تعلق سے ایک بڑی پیاری بات کی ہے اور پھر ارادے کی دونوں قسمیں بیان کی ہیں اور دونوں کا فرق بھی بیان کیا ہے اگلے درس میں یہیں سے درس کا آغاز کریں گے

تاکہ اس درس کا خلاصہ بھی ہو جائے گا ریویژن (Revision) بھی ہو جائے گی اور پھر اگلے درس میں بات کریں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (29.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔